R. No. 2186/57 | Regd. No. L.1002

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۴ - شمارہ ۲۱ | اڈیٹر: - آل احمد سرور | یکم جون ۱۹۶۵ء

اداریہ

معمارِ اعظم کی یاد

۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو ہندوستان کی جنگ آزادی کا سورما گاندھی جی کا جانشین اور ملک و قوم کا محبوب رہنما ہم سے رخصت ہو گیا۔ اسے ہم سے جدا ہوئے سال بھر ہو گیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی وہ لال قلعہ کی دیوار سے ہمیں للکار رہا ہے۔ تین مورتی مارگ سے ہمیں آواز دے رہا ہے، پارلیمنٹ کے در و دیوار میں اس کی صدا گونج رہی ہے۔ ہندوستان کے لہلہاتے ہوئے میدانوں، جگمگاتے ہوئے کارخانوں، نئی زیارت گاہوں سے کچھ کہہ رہا ہے۔

وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ہندوستان سے محبت کی اور عمر بھر اس کی خدمت میں لگا رہا۔ میں نے اس کی ساری تاریخ کو اپنایا۔ میں نے اس کی تہذیب کے ہر پہلو اور ہر رنگ کو دل میں جگہ دی۔ میں نے اس کے باسیوں کے سبھی مذاہب کا احترام کیا۔ میں نے اس کی روح کو پہچاننے کی کوشش کی اور میں نے جدید دور کے تقاضوں کو بھی سمجھا اور اسے جدید دور میں لا کھڑا کیا۔ میں نے جمہوریت کے اصولوں کا پرچار ہی نہیں کیا، جمہوریت کو زندگی کی بنیاد بنانے کے لیے ایک جامع دستور بھی تیار کرایا جس میں فرد کی آزادی بھی محفوظ ہے اور مساوات اور عدل کی قدریں بھی اور سماجی خیر کی ضمانت بھی۔ میں نے سیکولرازم کو صرف تقریروں سے نہیں اپنے عمل سے بھی دلوں میں جاگزیں کیا جس کے معنی مذہب سے بیزاری نہیں بلکہ مذاہب کے احترام کے باوجود دنیوی معاملات میں سب کو برابر کا درجہ دینے کے ہیں۔ میں نے سوشلزم کی منزل ملک کے سامنے رکھی اور اس کے لیے منصوبہ بندی کے طریقے کو اپنایا اور تین منصوبے بنائے جن کی وجہ سے ملک اپنی منزل کی طرف آگے بڑھا۔ میں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی برکات سے ملک کو آشنا کیا اور سائنسی مزاج بنانے پر زور دیا۔ میں نے دنیا میں امن کی فضا ہموار کی۔ میں بڑی طاقتوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوا اور ناوابستگی کی پالیسی پر چل کر ایشیا اور افریقہ کے ان ملکوں کو جو ابھی آزاد ہوئے ہیں ایک طاقت بنایا۔ میں نے تنگ نظری اور تعصب کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ میں نے فن کاروں اور ادیبوں کی عظمت کو پہچانا اور سماج میں ان کے منصب کو منوایا۔ میں نے انسانیت کی برادری میں شرکت کی سب کو دعوت دی اور خدمت خلق کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ مجھے ہندوستان کے پینتالیس کروڑ عوام سے بے پناہ محبت تھی اور انھوں نے بھی مجھے بے اندازہ محبت دی۔ میں ساری عمر خوب سے خوب تر کی جستجو کرتا رہا۔ محنت اور کام کو میں نے ہر حال میں عزیز رکھا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ سب نہ کر سکا لیکن میرے بعد میرے دوسرے ساتھی آگے بڑھیں گے اور میرے کام کو بھی آگے بڑھائیں گے۔

آج یہی آواز ہمارے لیے سب سے بڑا پیغام رکھتی ہے۔ جواہر لال نہرو کی رسمی یاد منانا، ان کی یادگاریں قائم

اس شمارے میں

صفحات ۱۲

کرنا اہم نہیں۔ ان کی شان میں قصیدہ پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو ان کے نقش قدم پر چلنا ہے اور مشکلات اور دشواریوں کے باوجود چلتے رہنا ہے۔ اسی میں ملک کی نجات ہے اور اسی میں ہماری طرف سے "معمارِ اعظم" کی خدمات کا سب سے اچھا اعتراف یہ ہے کہ ہم ملک کی تعمیر میں دل و جان سے لگ جائیں۔

آہ! زاغ صاحب مر گئے

۱۳۸۵ ہجری

افسوس کہ راجستھان کے مشہور مزاح نگار شاعر سعید الدین زاغ کا تین ماہ کی مسلسل علالت کے بعد ۲۱ مئی ۱۹۶۵ء کو انتقال ہو گیا۔

اس کا کلام خندہ زن اس کا مزاج شاد و داد
موت کا باز لے اُڑا زاغ کو ہم سے کیا آہ

۱۹۶۵ عیسوی

سکریٹری انجمن ترقی اردو، ٹونک راج

یو۔پی کے سکھ اردو کی حمایت پر

دہلی کے موقر پنجابی روزنامہ اخبار "گرجیت" نے یو۔پی کے اکالی لیڈر جتھیدار کرتار سنگھ جی کا ایک بیان اپنے صفحات میں نمایاں طور پر شایع کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جتھیدار کرتار سنگھ نے لکھنؤ میں پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہا:۔

"حکومت یو۔پی کا اردو دشمن رویہ قابل صد مذمت ہے۔ اردو زبان بولنے والوں کی گنتی ہندوستان میں کروڑوں سے اور ہندی کا نام رٹنے والے خود بھی اردو بولتے ہیں۔ جتھیدار جی نے یو۔پی کے اردو دوستوں کو مکمل تعاون کا یقین دلاتے ہوئے کہا۔ یو۔پی میں اردو پر کیے گئے ہر حملہ کو روکنے کے لیے صوبہ کے تمام سکھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ آپ نے مزید کہا کہ جب آئین میں اردو کو ہندوستان کی ایک مسلمہ زبان تسلیم کیا گیا ہے تو اسے صرف "مسلمانوں کی زبان" کہہ کر خواہ مخواہ کیوں بدنام کیا جا رہا ہے"۔ (مرسلہ سورج تحریر)

مطالعۂ امیر

ڈاکٹر ابو محمد سحر کا تحقیقی مقالہ جس پر حال میں انھیں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری ملی ہے "مطالعۂ امیر" کے نام سے نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ سے شایع ہو گیا ہے۔ اس کی قیمت آٹھ روپے ہے۔

الہ آباد یونیورسٹی میں تحقیقی کام

الہ آباد یونیورسٹی کی اکزیکٹو کونسل نے اپنے حالیہ میٹنگ میں ممتحنین کی رپورٹ منظور کر کے سید نیر مسعود کو اردو میں ڈاکٹر آف فلاسفی (ڈی۔فل) کی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ سید نیر مسعود نے پروفیسر مسیح الزماں کی نگرانی میں مرزا رجب علی بیگ سرور پر اپنا تحقیقی مقالہ لکھ کر اکتوبر ۱۹۶۴ء میں پیش کیا تھا۔ (نامہ نگار)

ثقافتی ادب کا چوتھا کل ہند مقابلہ

اردو کے دو مصنفین کو ایک ایک ہزار روپے کے نقد انعامات

چوتھے کل ہند ثقافتی ادب کے مقابلہ میں جس کا اہتمام مرکزی وزارت کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی جانب سے کیا گیا تھا۔ ہندوستان کے دس مصنفین کے لیے ایک ایک ہزار روپے کے دس انعامات کا اعلان کیا گیا۔ چودہ زبانوں کے اس کل ہند مقابلہ میں اردو کے دو مصنفین جناب سید محمد ابراہیم صاحب فاخری اور جناب کشور زیدی صاحب کو ان کی تصنیف "پنچایتی راج" پر ایک ایک ہزار روپے کا انعام دیا گیا۔

پانچ ہزار پونڈ کا ادبی انعام

برطانوی پبلشنگ فرم کیسل اینڈ کمپنی نے سر ونسٹن چرچل کی یاد میں پانچ ہزار پونڈ کا ادبی انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کا نام ونسٹن اسپنسر چرچل ادبی ایوارڈ ہوگا اور یہ ہر دو برسوں کے بعد ایسے مصنف کو دیا جائے گا جس کی انگریزی زبان والی اقوام کی تاریخ کے کسی پہلو سے متعلق کتاب ایک ممتاز تصنیف قرار دی جائے گی۔ مذکورہ فرم نے صرف یہ شرط عائد کی ہے کہ کتاب انگریزی میں ہونی چاہیے اور مصنف کی عمر ۴۰ برس سے زیادہ نہ ہو۔

کیسل اینڈ کمپنی نے سر ونسٹن کی کتابیں چھاپی ہیں۔ اس نے کہا کہ اس انعام کا مقصد نوجوان تاریخ دانوں کی اس بات کے لیے حوصلہ افزائی کرنا ہے کہ وہ سر ونسٹن کی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی ادب میں اضافہ کریں۔ (پندرہ روزہ برطانیہ)

دنیا کی سب سے چھوٹی کتاب

ماسکو (تاس) یوکرین کے ماسٹر نکولائی سیدو نے دنیا کی سب سے چھوٹی کتاب تیار کی ہے۔ اس کا سائز صرف ۲×۲ مربع ملی میٹر ہے۔ اس کے کور پر ایک پھول کی تصویر ہے جسے خورد بین کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلے صفحہ پر ابتدائیہ ہے جس کے ۱۲ صفحوں پر یوکرینی شاعر تاراس شیوچینکو کی نظمیں چھپی ہیں۔

عبد اللطیف اعظمی

انجمن ترقی اردو کی مخالفت کا جائزہ

انجمن ترقی اردو کی مخالفت مختلف حلقوں میں مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے وہ اخبارات جو مختلف اسباب سے حکومت وقت سے خوش نہیں ہیں، وہ اپنے اعتراضات کی لپیٹ میں انجمن ترقی اردو کو بھی لے لیتے ہیں، میرا گمان ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ اپنی شکایات اور بے چینی کا اظہار کرتے رہتے ہیں اسی طرح انجمن ترقی اردو بھی کرے اور جب ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی تو وہ انجمن ترقی اردو پر اپنا غصہ اور جھنجھلاہٹ اتارتے ہیں۔ اس طرح کے اخبارات میں جماعت اسلامی کا روزنامہ "دعوت" (دہلی) اور علمائے لکھنؤ کے حلقے کا ہفت روزہ "ندائے ملت" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ "الجمعیۃ" بھی مخالفت کرتا ہے مگر وہ سامنے آکر حملہ نہیں کرتا شاید اس لیے کہ مفتی عتیق الرحمان صاحب کی پوزیشن داغدار ہو گئی ہے، مفتی صاحب انجمن میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور جہاں تک میرا احساس ہے، وہ انجمن کی پالیسی سے مطمئن ہیں، ایسی صورت میں "الجمعیۃ" جس کے مفتی صاحب سربراہ ہیں، کھلم کھلا کیسے اعتراض کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی موقع ہاتھ آجائے تو اس سے باز بھی نہیں آتا۔ اس موقع پر مجھے ایک پرلطف واقعہ یاد آگیا ہے جے پور کے پچھلے سالانہ اجلاس کی کارروائی ہو رہی تھی، اسٹیج پر کسی صاحب نے "الجمعیۃ" کا ایک تراشہ پروفیسر آل احمد سرور صاحب کی خدمت میں پیش کیا، جس میں انجمن پر اعتراضات کئے گئے تھے۔ سرور صاحب نے اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر مفتی عتیق الرحمان صاحب کی طرف بڑھا دیا، میں بھی پاس ہی بیٹھا تھا، مفتی صاحب دیکھ چکے تو ان سے لے کر میں نے دیکھا اب تک کسی نے کچھ کہا نہیں تھا، میں پڑھ رہا تھا تو جمعیۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے مراد آباد کے ایک ڈیلیگیٹ نے اچک کر دیکھا اور فرمایا: "الجمعیۃ نے نہیں لکھا ہے، فلاں اخبار سے نقل کیا ہے۔" میں نے عرض کیا: "پھر نقل کیوں کیا ہے؟! اسی لیے تاکہ اسے اس سے اتفاق ہے۔"

کچھ عرصہ ہوا دلی کے ایک ماہنامہ کے اڈیٹر صاحب کا ایک مضمون "دعوت" میں شایع ہوا جس میں انجمن پر بالکل بے بنیاد اعتراضات کیے گئے تھے، ان بہت سے الزامات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جے پور کے اجلاس میں انجمن ترقی اردو کی شدید مخالفت کی گئی، بالآخر انجمن کے کاموں کے جائزہ لینے اور دستور میں ترمیم کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کرنی پڑی۔ میں نے اس مضمون کا تفصیل سے جواب لکھا اور خود لے کر مدیر "دعوت" کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدیر صاحب نے پڑھے بغیر فرمایا، مضمون بہت طویل ہے، اس کا کچھ حصہ خطوط و مسائل کے کالم میں دیا جا سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جس طرح انجمن کی مخالفت میں اتنا طویل مضمون نمایاں جگہ پر شایع کیا گیا ہے اسی طرح اس کا جواب بھی شایع کرنا ہو تو رکھ لیجیے، ورنہ مجھے واپس کر دیجیے، میں کسی اور اخبار کو بھیج دوں گا، چنانچہ وہ بعد میں "مدینہ" میں شایع ہوا۔ مدیر "دعوت" نے مجھ سے فرمایا، اعظمی صاحب! منفی طریق فکر کوئی اچھی چیز نہیں ہے، مثبت بات کیجیے۔ اس زمانے میں میں نے مسلم مشاورتی اجتماع کے سلسلے میں متعدد مضامین لکھے تھے، موصوف کا اشارہ ان ہی کی طرف تھا۔ میں نے عرض کیا، یہ سوال تو مجھے آپ سے کرنا ہے، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ انجمن ترقی اردو کی مخالفت میں آپ نے یہ مضمون کیوں شایع کیا ہے؟ اس سے نہ تو انجمن کی اصلاح ہوگی اور نہ اردو کی کوئی خدمت۔ انجمن اور اردو سے آپ کی اور جماعت اسلامی کے کارکنوں کی بے تعلقی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ لوگوں میں سے ایک شخص بھی انجمن کا ممبر نہیں ہے اور نہ آپ لوگ اردو کے مسائل میں عملی طور پر کسی قسم کی دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے انجمن کو مفید تر بنانے کے سلسلے میں ان تجاویز کا ذکر کیا ہے، جو مرکزی انجمن میں زیر غور تھیں اور دلّی کی مختلف شاخوں کے قیام کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ حضرات خود تو کچھ کرتے نہیں ہیں اور انجمن کی شکایت کرتے ہیں۔

اسی زمانے میں جماعت اسلامی کے انگریزی ہفتہ "ریڈینس" میں ایک خط شایع ہوا جس میں جسٹس آنند نرائن ملا کے خطبۂ صدارت کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ انھوں نے انجمن ترقی اردو کی مرکزی قیادت کی بے عملی کی کھل کر شکایت کی ہے۔ مجھے اس مکتوب نگار کی لاعلمی یا غلط بیانی پر تعجب نہیں ہوا البتہ مجھے حیرت تھی کہ اڈیٹر صاحب نے اسے شایع کیونکر کیا تھا جب کہ ملا صاحب کے پورے خطبے کا انگریزی ترجمہ "ریڈینس" میں شایع ہوا تھا۔ کم از کم اڈیٹر صاحب کو تو معلوم ہی ہونا چاہیے تھا کہ ملا صاحب نے کیا کہا ہے اور کیا نہیں۔ بہرحال جب اس کے جواب میں میں نے لکھا تو دو ایک مہینے میں اسے بھی شایع کر دیا گیا۔

اب تازہ ترین مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ۲۶ مارچ ۱۹۹۵ء کے "ندائے ملت" میں "قدم آگے بڑھائیے" کے عنوان سے اداریہ شایع ہوا تھا جس میں انجمن ترقی اردو کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی گئی ہے۔ جناب قاضی عدیل عباسی صاحب "ندائے ملت" کے حلقے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور ادارہ "ندائے ملت" کے الفاظ میں "اس کے کرم فرما اور ہم سفر ہیں۔" مگر "ندائے ملت" کے اداریہ کے خیالات اور اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ قاضی صاحب اس کا جواب لکھنے پر مجبور ہوئے۔ قاضی صاحب نے بہت درد کے ساتھ لکھا ہے:

"اگر آپ کی نگاہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی مدح ذہنا

آپ کرنا چاہتے ہیں تو انجمن اس میں مزاحم نہ تھی پھر کیا ضرورت تھی کہ آپ نے طعن و تشنیع کا ایک بازار گرم کر دیا، کیا اردو کی یہ کوئی خدمت ہے کہ اس کی واحد کل ہند جماعت پر ملامت کے تیر برسائے جائیں۔ اگر آپ تعمیری حیثیت سے کوئی بات پیش کرتے تو یقین کیجیے ہم لوگ اس کا خیر مقدم کرتے، ہم سب سے سیکھنے کے لیے تیار ہیں، لیکن آپ نے تو صرف بخار نکالا ہے اور سب و شتم سے شروع کیا اور سب و شتم پر ختم کیا ہے۔"

قاضی صاحب کا جواب کافی طویل ہے، انھوں نے بہت تفصیل سے انجمن ترقی اردو کی خدمات کو بیان کیا ہے اور صحیح معنی میں انجمن کی وکالت کی ہے۔ اس کے جواب میں ادارے کی طرف سے کہا گیا ہے کہ ہم تو کچھ نہیں کہتے ہم نے تو اردو کا کام کرنے والوں اور اراکین انجمن کے خیالات کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے۔

ملاحظہ ہو:-

"انجمن ترقی اردو کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا، اس میں ہم نے بہت بڑی حد تک اردو والوں کی ہی ترجمانی کی تھی اور اگر اسے مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے تو ہم نے ان ہی لوگوں کے خیالات کو اپنے الفاظ میں ظاہر کیا تھا، جو نہ صرف اردو زبان کے لیے کام کرتے رہے ہیں بلکہ جن کا تعلق آج بھی انجمن ترقی اردو کی شاخوں سے ہے اور جو انجمن کے نام سے آج بھی ہمت اور جرأت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اگر ہماری اس بات میں شک ہو تو اس کی تصویب و تکذیب ان حضرات سے کی جا سکتی ہے جو پچھلے دنوں انجمن ترقی اردو راجستھان کے اجلاس جے پور میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں اور جنھوں نے اپنی آنکھوں سے وہ نظارہ دیکھا ہے جسے اگر مرکزی انجمن ترقی اردو کے خلاف بغاوت سے تعبیر کیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔"

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اڈیٹر صاحبان کی معلومات بھی اس قدر غلط اور بے بنیاد ہوتی ہیں، اسی قسم کی بات ایک مرتبہ گوپال متل صاحب نے بھی لکھی تھی۔ چونکہ اجلاس جے پور کے شرکا کو مدیر ندائے ملت نے اپنے بیان کی "تصویب و تکذیب" کا مجاز بنایا ہے اس لیے میں نے اس کی تردید میں مضمون لکھ کر آج ہی بھیجا ہے میں نے لکھا ہے کہ بغاوت تو درکنار کسی نے کھل کر انجمن ترقی اردو کی مرکزی قیادت کے خلاف بے اعتمادی کا بھی اظہار نہیں کیا تھا، میں نے لکھا ہے کہ تین ساڑھے تین سو ڈیلیگیٹوں میں سے کچھ لوگوں نے تیز و تند تقریریں ضرور کیں، مگر ان کا تمام تر رخ حکومت کی طرف تھا، اسی طرح کچھ لوگ یہ بھی چاہتے تھے کہ اس اجلاس میں اردو کی لسانی تحریک کے سلسلے میں کوئی تیز قسم کا ریزولیوشن مرتب کیا جائے۔ اگر ان تقریروں کو کوئی صاحب مرکزی انجمن کے خلاف بغاوت سے تعبیر کریں تو ان کی بلند پروازی کی داد دینی چاہیے۔

کچھ لوگ انجمن پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ جی حضوریوں کی جماعت ہے اردو کا قانونی حق منوانے کے لیے ان میں ایجیٹیشن کرنے کی ہمت نہیں ان کے جواب میں میں نے لکھنؤ کے اس اردو کنونشن کا حوالہ دیا ہے، جو کچھ عرصہ پہلے منعقد ہوا تھا اور جس میں اعلان کیا گیا تھا کہ اگر ہمارا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو راست اقدام سے کام لیں گے۔ ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ ان کے بلند بانگ دعوے کدھر گئے اور کنونشن کرنے کے علاوہ انھوں نے اور کیا کیا!

میری ذاتی رائے ہے کہ اگر ابھی تک اردو کو اس کا قانونی حق نہیں ملا ہے تو اس میں انجمن ترقی اردو کا کوئی قصور نہیں، حالات ہی کچھ ایسے ہیں۔ جنھیں اس سے اتفاق نہ ہو وہ دلی کے حالیہ کنونشن پر غور فرمائیں، یہ کنونشن انجمن ترقی اردو یا کسی ایک انجمن کا بلایا ہوا نہیں تھا بلکہ اس کو تمام سیاسی پارٹیوں اور ادبی انجمنوں کی حمایت اور تعاون حاصل تھا، مگر اس کے باوجود کیا یہ کنونشن اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا! اس سے انجمن ترقی اردو پر نکتہ چینی اور اعتراض کرنے والوں کو یقیناً سبق لینا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اردو کا مقدمہ اسی صورت میں جیتا جا سکتا ہے جب زیادہ سے زیادہ صبر و تحمل سے کام لیا جائے، پورے استقلال و ہمت کے ساتھ جد و جہد جاری رکھی جائے، ایثار و قربانی کی بہتر سے بہتر مثالیں پیش کی جائیں، دوسری زبان والوں خصوصاً ہندی کے ساتھ نہ صرف رواداری بلکہ فیاضی کا سلوک کیا جائے اور اپنے ساتھیوں پر اعتماد و بھروسہ کیا جائے۔ سستی شہرت اور مختصر راستہ نہ کبھی مفید ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ زبان و ادب کے مسائل سیاسی داؤں پیچ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لسانی مسئلہ کے حل کے لیے مستقل مزاجی کی ضرورت ہے۔ سیاست کے مزاج میں تلون ہوتا ہے، اس میں جلد جلد اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے ضرورت سے زیادہ مصلحت پسند ہوتی ہے، اس کی طاقت پر بھروسہ کرنا عقلمندی نہیں۔ اگر آپ اردو کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں، تو خون دل سے اس کی آبیاری کیجیے حکومت پر تکیہ کر لینا مسئلہ کا حل نہیں، لسانی اقلیتوں کو خود اپنی طاقت اور اپنے حوصلوں پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ اردو سے محبت کرنے والے بہت ہیں، لیکن قربانی اور ایثار کے جذبے میں رفتہ رفتہ کمی آ رہی ہے، اصل خطرہ یہی ہے

سید شکیل دسنوی

گلاب کی موت

آج سارے چمن میں ماتم ہے
موت نے حسن اس کا لوٹا ہے
جانِ چمن کی تھی تازگی جس کی
شاخ سے وہ گلاب ٹوٹا ہے
اس کے دم سے تھی ساری رعنائی
اس چمن کا شباب تھا نہرو
خود بہاریں نثار تھیں جس پر
وہ شگفتہ گلاب تھا نہرو

مادرِ ہند روئے گی برسوں
زخم گہرا ہے کس قدر اس کا
کتنے قرنوں میں پیدا ہوتا ہے
ایک فرزند اس جواہر سا
مادرِ ہند پہ جو مر کر بھی
خاک اپنی نثار کرتا ہے
سوچیے تو وطن کو کیا کوئی
اس سے بڑھ کر بھی پیار کرتا ہے

اس نے کس حسن سے نکالا تھا
بحرِ آلام سے سفینے کو
اپنی پیشانیوں سے سارے حریف
پونچھتے رہ گئے پسینے کو
کتنی پاکیزگی تھی سیرت میں
اک کھلی سی کتاب تھا نہرو
اور حریفوں کی ہر سیاست کا
اک مکمل جواب تھا نہرو

امنِ عالم کی زلف برہم ہے
کون اس کو سنوارنے آئے
امنِ عالم کے اس فدائی کو
اب کہاں جاکے ڈھونڈھیے ہائے
اس نے آدرش جو دیا تھا ہمیں
سامنے اس کو سب کے رکھنا ہے
اس سے کتنا تھا پیار لوگوں کو
اس کسوٹی پہ اب پرکھنا ہے

لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کے خط

جنرل سکریٹری کے نام

(۲۳ مئی ۱۹۹۵ء کے قومی آواز میں ضلع رائے بریلی اور بریلی میں اردو تعلیم میں مشکلوں کے سلسلے میں دو خط شایع ہوئے تھے۔ جنرل سکریٹری مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) نے ان دونوں خطوط کی نقلیں اپنے خطوط کے ساتھ کمشنر لسانی اقلیت کو ۸ جون ۹۵ء کو بھیج دی تھیں۔ لسانی اقلیت کے اسسٹنٹ کمشنر نے ان خطوں کے جو جواب جنرل سکریٹری کو بھیجے ہیں ان کا ترجمہ وضاحت قارئین ہماری زبان کے لیے درج ذیل ہے۔ (ادارہ)

ضلع رائے بریلی کے سلسلے میں:-

"۱۔ زبان کے سلسلے میں حکومت کی پالیسی پر سختی سے عمل کرنے کے لیے تمام پرائمری اسکولوں کو ہدایات دی جا چکی ہیں۔

۲۔ لسانی اقلیتوں کے طلباء کی داخلوں کی درخواستوں کا پہلے سے اندراج کرنے کے لیے تمام پرائمری اسکولوں میں رجسٹر کھول دیے گئے ہیں۔ اور ان تمام اسکولوں میں اردو کی تعلیم کے لیے ضروری انتظامات کیے جاتے ہیں جہاں مقررہ تعداد میں طلباء اردو پڑھنا چاہیں۔

۳۔ ضلع میں اردو کے ذریعے تعلیم دینے کے لیے اہل اساتذہ موجود ہیں۔

۴۔ تربیتی اداروں میں اردو کے ذریعہ تعلیم، انتظامی اور مالی مشکلات کی وجہ سے ممکن نہیں ہے۔"

بریلی کے سلسلے میں:-

گورنمنٹ ماڈل اسکول بریلی کی چھٹی جماعت میں پچھلے سیشن میں صرف گیارہ لڑکوں کو اردو پڑھائی جا رہی تھی چونکہ ریکارڈ پہ کہیں درج نہیں تھا کہ طلباء نے اردو پڑھنے کی خواہش ظاہر کی ہے اس لیے اسکول کی منتظمہ نے جولائی ۱۹۹۴ء سے اردو کی تعلیم منقطع کردی۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکول نے اسکول کی مجلس منتظمہ کو صاف لفظوں میں ہدایت کردی کہ سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے کیونکہ یہ آسامی ایک بار دی جا چکی ہے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے وعدہ کیا ہے کہ نئے تعلیمی سال (جولائی ۱۹۹۵) سے اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا اور اس خبر کو مناسب پبلسٹی دی جائے گی۔"

مناظر عاشق ہرگانوی

رسالہ حسن ؟

رسالہ "حسن" کا ایک شمارہ میرے پیش نظر ہے۔
جس کے ٹائٹل پر درج ہے۔

جلد سوم رسالہ حسن نمبر ۱
جنوری سنہ ۱۸۹۰ء

مضامین :-

قبل از اسلام اہل عرب کا حال ۔ از شمس العلماء خان بہادر
مولانا مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب

تمدن انگلو انڈین حصہ (۳) ۔ از مولوی محمد اصغر حسین صاحب
مقیم کاکوری

بقیہ سفرنامہ نیلگری میسور اور اس کا انتظام } از عالی جناب علی البقا نواب محسن الملک بہادر معین المہام مالگزاری سرکار عالی حیدر آباد دکن

مطبع حسن میں چھاپا گیا

اداریہ میں اپنی حالت کے عنوان سے مندرجہ ذیل باتیں درج ہیں :-

"میں چند مختصر الفاظ میں اپنے قلمی اور مالی معاونوں کا دلی شکریہ ادا کر کے خدا سے دست بدعا ہوں کہ سال حال ان کے ہر گام میں مبارک ہو، اور قوم و ملک کی خدمتوں کی روز افزوں توفیق ہو۔

رسالہ حسن جو ۱۸۸۸ء سے ماہوار نکلتا ہے آج خدا کے بے انتہا فضل اور محبان قوم و ملک کی قابل قدر عنایتوں سے عزت کے سال سوم میں قدم رکھتا ہے۔

جن خیالات نے مجھ کو اس بار گراں اٹھانے کی تحریک کی تھی اگرچہ مجھ کو اپنے خیال کے موافق اس میں ہنوز کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر جس حد تک نامی گرامی حضرات ملک نے اپنی مختلف بے بہا خدمتوں سے سہارا دیا ہے اس سے امید ہوتی ہے کہ آیندہ مجھ کو اور بھی مغرورانہ شکرگزاری کا موقع ملے اور کیا عجب کہ بالآخر اپنے مقصد میں پورے طور سے کامیاب ہو جاؤں۔

قلمی معاونین جو اس رسالہ کے قدر و قیمت کے باعث ہوئے اور جن کی بے لوث خدمت میں ایک دنیا کی نظر میں امتیاز پیدا کرنے والی ہیں اس رسالہ کو سر بفلک کر دیا۔ میرے پاس جس کثرت سے خطوط شکریہ تقریباً کل مضامین رسالہ کے متعلق وقتاً فوقتاً ہو چکے ہیں اور نامی گرامی معاصرین نے جس شوق سے اپنے بیش قیمت کالموں میں مضامین رسالہ کو جگہیں دیں، وہ اس امر کے گواہ دق ہیں کہ رسالہ نے مقبولیت عام حاصل کی۔ نامی اخبارات نے اس رسالہ کی مختلف قابل قدر طریقوں سے عزت افزائی کی جس کے لیے وہ ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں اور غالباً متعدد اخبارات کے ہزارہا ناظرین ہماری اس منت پذیری میں شریک ہوں گے۔ انھوں نے رسالہ کا حوصلہ افزا ریویو کیا مضامین نقل کرنے سے رسالہ کی عزت افزائی کی۔ تعریف و تقریظ سے اس کی شہرت بڑھائی اشتہاروں سے قدر دانان کو ترقی دی۔

جس طرح رسالہ کو فخر ہے اور غالباً یہ فخر بیجا نہ ہوگا کہ اس کے قلمی معاونین قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم و فنون کے بے بہا خزینے ہیں۔ اسی طرح رسالہ کو یہ خاص سرفرازی ہے کہ اس کے مالی معاونین علاوہ فرزند متوسطین اور عام شائقین کے آسمان عزت و امتیاز کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔

بجٹ کی نسبت میں نہایت خوشی سے اقرار کرتا ہوں کہ مجھ کو شکایت سے زیادہ شکرگزاری کا موقع دیا گیا ہے۔

ہندوستان کے ہر حصے سے عموماً اور پنجاب سے خصوصاً زاید از امید قدردانی کا اظہار ہوا۔ یقین ہے کہ یہ سال گزشتہ سے زیادہ ہم کو ہر طرح کی شکرگذاری کا موقع دے گا۔ اور قلمی و مالی معاونین رسالہ "حسن" کو ندی نہیں بلکہ سمندری کا مرتبہ بخشیں گے۔"

"حسن"

چونکہ رسالہ مذکور کے شروع اور آخر کے (ٹائٹل کو چھوڑ کر) چند صفحات غائب ہیں اس لیے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ رسالہ کہاں سے نکلتا تھا، اس کے ایڈیٹر کون تھے اور رسالے کے کل صفحات کیا ہوتے تھے؟ اگر کوئی صاحب ان تفصیلات پر روشنی ڈالیں تو کرم ہوگا۔

ع۔ اسعد [illegible]

امرت لال ناگر اور اردو

پچھلے سال کے آخر میں ایک سیاسی پارٹی کا سالانہ جلسہ ہوا تھا جس میں ایک خطرناک آواز اٹھائی گئی تھی ایک راشٹر ایک بھاشا ایک کلچر۔ امرت لال ناگر اسی مکتب خیال کے حامی معلوم ہوتے ہیں۔ ۸ فروری ۱۹۶۲ء کے ہماری زبان میں ان کی ایک چٹھی نقل کی گئی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں چین و پاکستان کے پیدا کیے ہوئے موجودہ سنکٹ میں جس طرح بائیں بازو والے کمیونسٹ گروہ (ہندو) غدار مانتا ہے اسی طرح اردو علاحدگی پسندی کی آواز اٹھانے والوں کو بھی وہ غدار اور پانچویں کالم والا مانتا ہے۔"

معلوم نہیں امرت لال کن ہندوؤں کے بیچ اٹھتے بیٹھتے ہیں میرے دن رات بھی ہندوؤں کے ساتھ گزرتے ہیں۔ مسلمانوں کے سامنے وہ کھل کر بات نہ کریں لیکن مجھ سے پردہ کرنے کا کوئی امکان نہیں میں نے اردو کی مخالفت میں کچھ نہ کچھ سنا ہے لیکن کسی ہندو کو یہ نہیں کہتے دیکھا کہ اردو اور اردو رسم خط کا حامی غدار یا پانچویں کالم والا ہے۔ اور کسی ہندو کے یہ خیالات ہوں کہ نہ ہوں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امرت لال ناگر کا یہ عقیدہ ضرور ہے۔ لکھتے ہیں کہ اردو اسلوب کے لیے میرے من میں بڑی عزت ہے ہم ان سے یہی کہیں گے کہ

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

دیکھنا چاہیے کہ اردو رسم خط اور اردو کی علیحدہ حیثیت کے حامی کون کون ہیں تاکہ قوم دشمن عناصر کی فہرست بن سکے۔ آزادی کے بعد ۱۸ دسمبر ۱۹۴۷ء کے ہریجن میں مہاتما گاندھی نے لکھا ہے

"کیا وہ ایک کل ہندوستان زبان کی خدمت کر سکتے ہیں اگر اردو رسم الخط اور اردو زبان کو اس سے خارج کر دیا جائے۔ میں ہمیشہ تمہارے پاس نہیں رہوں گا مگر تم میرے رخصت ہو جانے کے بعد میرے الفاظ کو یاد کرو گے۔"

تو ناگر جی کے اصول کے مطابق وطن دشمن لوگوں میں سرفہرست مہاتما گاندھی کا نام آتا ہے۔

اب دیکھیے ہندوستان کے دستور کو۔ اس میں اردو کو ہندی سے علیحدہ زبان قرار دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر زبان کے رسم خط کے بقا کی بھی گارنٹی دی گئی ہے۔ بنیادی حقوق کی دفعہ (۱) ۲۹ ملاحظہ ہو۔

Any section of the citizens residing in the Territory of India or any part thereof having a distinct language, script or culture of its own shall have the right to conserve the same.

یعنی اردو زبان کو اردو رسم خط میں لکھے جانے کا قانونی حق ہے۔ اس دستور پر کس کس کے دستخط ہیں۔ جواہر لال نہرو۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ سردار پٹیل۔ پنڈت پنت وغیرہ۔ قوم دشمن عناصر کی بڑی شاندار فہرست ہے۔ اردو والا صرف اتنے ہی حقوق مانگتا ہے جو دستور میں دیے گئے ہیں۔ دفعہ ۳۵۰ الف میں ریاستوں اور میونسپلٹیوں وغیرہ پر یہ ذمہ داری رکھی گئی ہے کہ لسانی اقلیتوں کے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے امرت لال ناگر دستور کی دفعات میں عقیدہ نہیں رکھتے۔ غدار کون ہے۔ جو ہندوستان کے دستور کا وفادار ہو یا جو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

بمبئی کارپوریشن نے سندھیوں کی بہبود کے لیے یہ طے کیا کہ ان کی زبان عربی کی بجائے دیوناگری رسم خط میں لکھی جانی چاہیے چنانچہ کارپوریشن کے اسکولوں میں سندھی کی تعلیم دیوناگری کے ذریعے رائج کر دی گئی۔ کسی شخص کے۔ جی گوالانی نے بنیادی حقوق کے تحت کارپوریشن پر مقدمہ دائر کیا۔ ہائی کورٹ کے جسٹس دیسائی نے فیصلہ کیا کہ سندھیوں کو ان کے رسم الخط سے محروم کر کے کارپوریشن نے ان کے خلاف امتیاز برتا ہے چنانچہ پھر سے سندھی عربی خط میں رائج ہو گئی۔ ساگر یونیورسٹی کے ہندی کے پروفیسر آچاریہ نند دلارے باجپئی کی نگرانی میں ایک ضخیم ہندی کتاب "دیوناگری۔ لپی۔ سوروپ۔ وکاس اور سمسیائیں" ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں ڈھلیا کالج کے صدر شعبہ ہندی دشرتھ اوجھا کانگ ۔۔۔ کا "سندھی اور دیوناگری" پر مضمون لکھا گیا۔ مرتبوں کو توقع ہوگی کہ اسمانی سندھی میں تو کیا ہندی کے پروفیسر تو ہیں دیوناگری کی حمایت میں لکھ دیں گے لیکن انھوں نے بڑی شد و مد سے سندھی کے لیے دیوناگری کی مخالفت کی۔ مضمون کے آخر میں مرتب نے اپنا اختلافی نوٹ دے دیا ہے۔

آفیشل لنگویج کمیشن کی رپورٹ میں کمیشن کے ایک ممبر جسٹس پنجا سنگھ نے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ پنجابی اور اردو کو دیوناگری رسم خط اختیار کرنے کا جو مشورہ دیا جاتا ہے وہ دراصل ان زبانوں کو ہندی میں ضم کر لینے کی کوشش ہے۔

پنجاب میں سچر فارمولے کے تحت ہندی اور پنجابی پڑھنا لازمی ہے۔ ہندی والوں کو (جو دراصل پنجابی بولتے ہیں) اصرار

کہ ہم پنجابی کو اس کے رسم خط گرمکھی میں نہیں پڑھیں گے دیوناگری میں پڑھیں گے۔ ہندی کے ایک پرجوش مجاہد ڈاکٹر رام بلاس شرما نے اپنی ہندی کتاب "بھاشا اور سماج" میں یہ مان لینے کے بعد کہ راجستھانی اور پنجابی ہندی سے علیحدہ زبانیں ہیں پنجاب کے لیے فیصلہ کیا کہ پنجاب میں نچلی سطح پر پنجابی زبان اور دیوناگری رسم خط میں کام ہو اور اونچی سطح پر ہندی زبان اور دیوناگری خط میں ہو (ص ۴۲۲)

دوسروں کے رسم خط کے لیے آپ کے دل میں کتنی جگہ ہے۔ آپ تو پنجابی بھی پڑھیں گے تو ایک مزید رسم خط سیکھنے کے بار سے بچنے کے لیے اس کی لپی نہیں سیکھیں گے دوسروں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف ہندی کو دیوناگری میں پڑھے بلکہ اپنی زبانوں کا رسم خط بھی چھوڑ بیٹھے۔

بنگلہ کا رسم خط ہندی سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اردو جیسے مختلف رسم خط والی زبان کو دیوناگری اختیار کرنے کا مشورہ دینے سے پہلے ناگری جی بنگالیوں سے یہ مطالبہ کرنے کی جرات کیوں نہیں کرتے کہ وہ بنگلہ کو دیوناگری میں لکھنے لگیں کیا انھوں نے چند ہفتوں پہلے ہندی کے ہفتہ وار "دھرم یگ" میں دو چٹھیوں کے ہندی پتے کا فوٹو نہیں دیکھا کہ نہ صرف مدراس کے بلکہ کلکتے کے ڈاکخانے نے پتہ کاٹ کر چٹھی واپس کر دی کہ انگریزی میں پتہ لکھ کر بھیجو۔ دیوناگری لپی سے متعلق مندرجہ بالا کتاب "دیوناگری لپی: سوروپ، وکاس اور سمسیائیں" میں بال گنگا دھر تلک اور ڈاکٹر شیام سندر داس کی ایک بات چیت درج ہے۔ اس میں ملک بھر کے لیے ناگری رسم خط کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے تلک کہتے ہیں:

"بنگالیوں کا کہنا ہے کہ ہماری (یعنی ہندی کی) دیوناگری لپی اپ بھرنشٹ (مسخ شدہ) ہے اور ان کی لپی ہی اصلی دیوناگری لپی ہے اور یہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ پرانے شلالیکھوں کے حروف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ پرانی لپی بنگلہ سے بالکل ملتی ہے۔" (ص ۲۴)

اسی کتاب میں ہندی کے مشہور ماہر لسانیات ڈاکٹر بھولاناتھ تواری کا ایک مضمون ہے جس میں انھوں نے ملک کی سب زبانوں کے لیے دیوناگری لپی کی وکالت کی ہے ان کے مضمون سے مجھے ایک خوشگوار انکشاف ہوا۔ لکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک فرانسیسی ایک کمبوڈیا والے اور ایک امریکی کو ہندوستان کے مختلف رسوم خط سکھانے کے الگ الگ تجربے کیے جس کا نتیجہ یہ نکلا

(۱) تامل، تلگو، کنڑ، ملیالم اور اڑیہ کی نسبت دیوناگری رسم خط زیادہ آسان ہے اور کم وقت میں سیکھا جا سکتا ہے

(۲) دیوناگری، بنگلہ، اور گرمکھی لگ بھگ برابر ہیں

(۳) گجراتی اور اردو رسم خط سب سے سہل ہیں

(ص ۲۳۸)

سچ تو یہ ہے کہ نہ رسم خط کے اشتراک سے یگانگت پیدا ہونا لازمی ہے نہ اس کے اختلاف سے عناد پیدا ہوتا ہے۔ تقسیم سے پہلے بنگال کے مسلمان اور ہندو ایک ہی رسم خط میں بنگلہ سیکھتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے صوبے کو تقسیم کیا۔ انگریزی اور جرمن سگی بہنیں ہیں اور دونوں کا رسم خط یکساں ہے۔ اس کے باوجود وہ اس صدی میں دو بار لڑ چکے ہیں۔ عرب ملکوں میں ایک زبان ایک رسم خط اور ایک تہذیب کے باوجود آپس میں کھٹ پٹ ہوتی رہتی ہے۔ انڈونیشیا اور ملیشیا کی زبان یکساں ہے جو انڈونیشیا میں رومن رسم خط میں اور ملیشیا میں عربی خط میں لکھی جاتی ہے۔ ناگری جی کے حل کے مطابق دونوں کا رسم خط یکساں ہو جائے تو یقیناً ان میں وصل کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

ہندوستان کی مختلف زبانوں کو اپنا رسم خط برقرار رکھنا ہے یا اسے بدل کر کوئی اور رسم خط اختیار کرنا ہے یہ ان زبان والوں کا کام ہے ہندی والے بن مانگے کا مشورہ نہ دیں تو اچھا ہے۔ اس سے لسانی سامراجیت کی بو آتی ہے۔ کیا انھوں نے پچھلے چند ماہ کے واقعات سے کچھ نہیں سیکھا۔

(ڈاکٹر گیان چند)

اثر لکھنوی کے شعر کا غلط انتساب

"نقوش" جون ۱۹۹۳ء کے شمارے میں نثار احمد صاحب فاروقی کا ایک مضمون جس کا عنوان ہے "منسوب کیا ہے" نظر نواز ہوا۔ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں جا بجا مشاہیر کے اشعار بھی نقل کیے ہیں جن شعرا کے اشعار نقل کیے گئے ہیں ان میں حضرت میر بھی شامل ہیں۔ صفحہ ۴۶ پر فاروقی صاحب نے میر کے جن شعروں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک شعر یہ بھی ہے

عشق سے لوگ منع کرتے ہیں
جیسے کچھ اختیار ہے اپنا

اطلاعاً عرض ہے کہ مذکورہ بالا شعر کے خالق حضرت میر نہیں جناب جعفر علی خاں اثر لکھنوی ہیں۔

(اقبال مودودی)

انجمن ترقی اردو راجستھان کے جدید انتخابات اور اردو ریڈنگ روم کی تعمیر

جدید انتخابات

۱۹ مئی ۱۹۶۵ء کو بوقت ۸ بجے صبح بمقام مسلم مسافر خانہ جے پور راجستھان کی ریاستی انجمن کے جدید انتخابات عہدیداران عمل میں آئے اور حسب ذیل اصحاب حسب ذیل عہدوں کے لیے منتخب و نامزد ہوئے۔

واضح رہے کہ ممبروں کا انتخاب ۲۵ اپریل ۱۹۶۵ء کو ہو چکا تھا۔ اب انھوں نے اپنے عہدیدار منتخب و نامزد کیے ہیں۔

خان بہادر الحاج الطاف احمد صاحب خیری، صدر
راؤ بہادر پنڈت اوتار نراین صاحب بہادر، نائب صدر
سید احمد علی شاہ جعفری صاحب قمر ۔ "
خان برکت اللہ خاں صاحب ملیتہ منسٹر راجستھان۔ "
مولوی احترام الدین احمد صاحب شاغل عثمانی۔ جنرل سکریٹری
ڈاکٹر سردار رام سنگھ صاحب۔ خازن
منشی عبدالواسع صاحب اکمل۔ اسسٹنٹ سکریٹری
بابو عبدالروف صاحب "

ان صاحبان کے علاوہ مقامی شاخوں کے دس نمایندگان کو بھی ممبر منتخب کیا گیا۔ اور دس اصحاب کو صدر صاحب نے باختیار خود ممبر نامزد کیا۔

اس کے علاوہ دو سب کمیٹیاں بھی مقرر کی گئیں
ایک برائے تعمیر اردو ریڈنگ روم جس کے چیرمین پنڈت رتن نرائن کول صاحب۔ سکریٹری محمد افتخار علی صاحب شمیم اور ممبر۔ محمد عبد الرزاق حنال صاحب سوداگر مقرر ہوئے۔

دوسری برائے تعلیم رودادنمبر ۳ جس کے چیرمین۔ سید احمد علی شاہ جعفری صاحب قمر اور سکریٹری۔ بابو عبدالروف صاحب۔ مقرر ہوئے

اردو ریڈنگ روم کی تعمیر

انجمن ترقی اردو راجستھان ایک اردو ریڈنگ روم کی تعمیر موتی ڈونگری روڈ پر کر رہی ہے۔ جس کے انچارج پنڈت رتن نرائن کول ہیں۔ اس تعمیر کے لیے مہاراجہ سوائی جے سنگھ جی دولینڈ فنڈ سے مہارانی گائتری دیوی صاحبہ آف جے پور نے انجمن راجستھان کو مبلغ دس ہزار روپیہ کا عطیہ بھی عنایت کیا ہے۔ ابتدائی انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ اور تعمیر عنقریب شروع ہونے والی ہے۔

(نامہ نگار)

اردو ساہتیہ منڈل کا قیام

آبو روڈ ۱۰ مئی ۱۹۶۵ء کو آبو روڈ راجستھان میں ایک نئی ادبی انجمن قائم ہوئی اس انجمن کا مقصد اردو زبان ادب کو فروغ دینا ہے۔

اس انجمن کے سرپرست جناب بشیر صاحب نظر ہیں۔ فی الوقت منڈل کے عہدیداروں کا عارضی انتخاب عمل میں لایا گیا ہے دستور العمل کی تیاری کے بعد باضابطہ انتخاب کیا جائے گا۔

(رفیق احمد چشتی پروپیگنڈہ سکریٹری)

انجمن ترقی اردو گورکھپور کی ایک ادبی نشست

انجمن ترقی اردو شاخ گورکھپور کی ایک ادبی نشست جارج اسلامیہ کالج میں زیر صدارت جناب برج موہن مہاجن (مگن جی) منعقد ہوئی۔ انجمن کے سکریٹری بدیع الزماں اعظمی صاحب نے اپنی ابتدائی تقریر میں ممبر سازی کی تحریک پر زور دیا اور انجمن کے کارناموں سے عوام کو روشناس کرایا۔

ادبی نشست کا آغاز ملک زادہ منظور احمد کے ایک مقالے سے ہوا جس میں موصوف نے انجمن ترقی اردو کی تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے دو پہلوؤں کی نشاندہی کی۔ خارجی پہلو جس کا تعلق اردو اور ارباب حکومت سے ہے۔ اور داخلی پہلو جس کا تعلق اردو اور اردو کے ادیبوں سے ہے۔ انھوں نے کہا کہ انجمن نے خارجی محاذ پر بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اور دے رہی ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہم کو داخلی محاذ سے بھی غفلت نہیں برتنی چاہیے وہی زبان ترقی کر سکتی ہے جس کو عوامی مقبولیت کا شرف حاصل ہو۔ گذشتہ کئی ہزار برس کا تاریخی عمل ہم کو یہ سبق سکھلاتا ہے کہ محض ارباب حکومت کی سرپرستی کسی زبان کی ترقی کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اردو کے ادیب اور شاعر اپنی عوامی روایات کا احترام کرتے ہوئے زبان کی جڑوں کو دور تک عوامی زندگی کی گہرائی میں پھیلائیں اور بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اس کو زیادہ سے زیادہ آسان اور عام فہم بنائیں اور اسی کے ساتھ ساتھ خارجی محاذ پر اردو کو اس کا دستوری حق دلوانے کے لیے پرامن اور غیر فرقہ دارانہ جد و جہد کریں۔

انیس احمد ہاشمی نے اپنے مقالہ میں فراق گورکھپوری کی

شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ موجودہ غزل گو شعرا میں سب سے زیادہ بین الاقوامی اثرات فراقؔ کی شاعری نے قبول کیے ہیں۔ وہ ادبی اور وطنی روایت پر قائم رہتے ہوئے تمام عالم انسانیت کے مسائل کو پیش نظر رکھتے ہیں اور غزل کے رموز و علائم سے فائدہ اٹھا کر حدیث روزگار کو حکایت حسن بنا دیتے ہیں۔ ان کی شاعری کے پیچھے غیر ملکی ادیبوں کے کارناموں کے علاوہ، وہ ذہن انسانی بھی کارفرما ہے جو چاند ستاروں کو فتح کرنے کا عزم رکھتا ہے۔

داہی گوشیادی نے اپنے افسانہ "ساحل اور سمندر" میں انحطاط پذیر زمیندار طبقہ کی معاشی بدحالی اور لڑکیوں کی شادی کے مسئلے پر روشنی ڈالی۔

جوہر وارثی، آفتاب بہرائچی، مجروح اورنگ آبادی، مسلم انصاری، محشر بریلوی، نور گورکھپوری، عرفی آفاقی، رودت نسیمی، شریف گورکھپوری، چندر شیکھر اور شمس الآفاق، کے علاوہ ڈاکٹر سلام سندیلوی نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

(کنوینر ادبی سب کمیٹی)

علامہ اقبالؔ کی برسی

بھوپال ۲۵ راپریل۔ اقبال لائبریری بھوپال کی جانب سے دنیا کے مشہور شاعر اور عظیم مفکر" ڈاکٹر محمد اقبال کی سالیسویں برسی کے موقع پر ایک سادہ اور اثر انگیز تقریب لائبریری میں منعقد کی گئی۔ اقبال لائبریری کے منتظم جناب عمر انصاری صاحب نے جلسہ کی کارروائی شروع کرتے ہوئے لائبریری کی تاریخ پر مختصر اً روشنی ڈالی۔

انھوں نے کہا یہ لائبریری ۱۹۳۹ء سے طلبا اور عوام کی بے لوث خدمات انجام دے رہی ہے۔ لائبریری ہر سال "یوم اقبال" کا انتظام کیا کرتی تھی لیکن پچھلے چند سال سے ناگزیر وجوہ کی بناء پر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور اب مختصراً یہ جلسہ لائبریری میں ہی منعقد کیا جا رہا ہے آپ نے کہا کہ "اقبال لائبریری" نے اپنی حتی المقدور کوشش اس بات کی کی کہ علامہ اقبالؔ کی تصانیف جمع کی جائیں اور اس وقت کافی تصانیف لائبریری میں موجود ہیں لیکن ابھی اس بات کی ضرورت ہے کہ اس میں اور اضافہ کیا جائے لیکن ہم جگہ کی تنگی اور دیگر وجوہ کی بنا پر مجبور ہیں۔

جناب ممنون حسن خاں صاحب نے جن کا علامہ اقبالؔ سے قریبی تعلق رہا ہے علامہ اقبالؔ پر اپنی تقریر کا آغاز فرماتے ہوئے کہا کہ برصغیر کے سب سے عظیم مفکر کی سالانہ برسی پر سامعین کی اتنی کم تعداد حیرت اور افسوس کا باعث ہے۔ جبکہ بیرونی ممالک تک میں اس مایۂ ناز شخصیت کی یاد کو تازہ رکھا گیا ہے۔ آپ نے بتایا کہ ماسکو یونیورسٹی کیمبرج یونیورسٹی اور پیکنگ یونیورسٹی میں علامہ اقبالؔ کے نام کی (سہنہ ملت) ہیں علامہ اقبالؔ پر اتنے مقالات اور کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ کہنے سے ان کا کلام سننا زیادہ بہتر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے "جاوید نامہ" کا وہ حصہ پڑھ کر سنایا جس میں علامہ نے شہید اعظم ٹیپو سلطان کے واقعہ کو بڑے پراثر انداز سے پیش کیا ہے اور اس کے ذریعہ نوجوانوں کو راہ عمل بتائی ہے جس میں ایسا فکر انگیز پیغام ہے جو "قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے"۔

جناب ممنون حسن خاں صاحب نے علامہ اقبالؔ کے اشعار کی بڑے دلنشیں اور جامع انداز میں تشریح فرمائی۔

(نامہ نگار)

شاخ سمری بختیارپور (مونگیر) کے دفتر میں وزیر اعلیٰ بہار کی آمد اور شاخ کی عرضداشت کا جواب

مورخہ ۸ اپریل ۱۹۶۵ء کو وزیر اعلیٰ بہار شری کرشن بلبھ سہائے جو سرکاری دورہ پر تشریف لائے ہوئے تھے بزم ادب شاخ ریاستی انجمن ترقی اردو ہند سمری بختیارپور (مونگیر) آئے اور انجمن کی گزارش پر دفتر بزم ادب پر تشریف لائے۔ انجمن کی طرف سے انہیں ایک عرضداشت پیش کی گئی۔ پوری توجہ کے ساتھ انہوں نے عرضداشت سنی۔ عرضداشت میں اردو کے سلسلہ میں حکومت کی غیر منصفانہ روش کی مذمت کی گئی تھی اور عالمی پیمانہ پر اس کے حامیوں کی تحریک اور اس کے انجام پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ عرضداشت میں وزیر اعلیٰ سے پوچھا گیا کہ آج جبکہ تامل ناڈو کے عوام آنجہانی جواہر لال نہرو کی یقین دہانیوں کے بل پر اپنے مطالبات کو منوانے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ آپ بتائیں کہ ہم اردو والے جن کی پشت پر راشٹر پتا مہاتما گاندھی کا فرمان، آنجہانی جواہر لال نہرو کی خواہشات، دو سفارشات اور دوسرے بڑے بڑے لیڈروں اور رہنماؤں کی یقین دہانیاں شامل ہوں اور پھر ملک کا دستور جس کا احترام ہم سبھوں پر فرض ہے، اس نے بھی پوری پوری رعایت صاف لفظوں میں دی ہو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے کیا کریں؟

وزیر اعلیٰ نے انجمن کی عرضداشت کے جواب میں فرمایا کہ مجھے میمورنڈم کی جامعیت اور اس کی بہترین ترتیب نے کافی متاثر کیا اور کافی خوشی بھی ہوئی۔ اس کی زبان ذرا عام فہم نہیں تھی میں تو اردو داں ہوں اس لیے بخوبی سمجھ گیا۔ البتہ دوسروں کو شدید دشواری ہوتی۔ میں ذاتی طور پر زبان کی ثقالت کا مخالف ہوں کہ اردو عربی نہ بن جائے اور ہندی سنسکرت نہ بن جائے۔

اردو کو دستور میں جو حق حاصل ہے اسے ملنا ضروری ہے۔ اردو کی اہمیت سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں۔ اس کی حیثیت اپنی جگہ قطعی مسلم ہے۔ جہاں تک مرکزی حکومت کا تعلق ہے اپنی ذمہ داریوں کو وہی سمجھ سکتی ہے۔ البتہ میں صوبائی طور پر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس سلسلہ میں میں ضرور تشفی بخش اقدام کروں گا اور اس کے حقوق دلوانے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں عملی طور پر کچھ کر کے دکھانے کا عادی ہوں۔ معاملہ کو معرض التوا میں ڈالنا میرا طریقہ کار نہیں۔ اس لیے میرے جواب پر مطمئن ہونے، یقین کرنے اور قدرے انتظار کی ضرورت ہے۔

صوبائی انجمن ترقی اردو کے صدر جناب شاہ احمد خاں ایڈووکیٹ نے ملاقات کا وقت دیا ہے ان سے تفصیلات جاننے کے بعد بہت جلد اس سلسلہ میں غیر مبہم اور اطمینان بخش اقدام ہو سکے گا۔

جنرل سکریٹری جناب محامد حسین ہاشمی نے وزیر اعلیٰ کو شکریہ کا خط لکھا ہے۔ نیز یاد دہانی کرائی ہے۔

(محامد حسین ہاشمی سکریٹری)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کنڈلواڑی کا الحاق ہوگیا

مہاراشٹر کے اردو دوستوں کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کنڈلواڑی تعلقہ بلولی کا باقاعدہ الحاق ریاستی شاخ مہاراشٹر سے ہوگیا۔ کنڈلواڑی کے اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کنڈلواڑی کے ممبر بن کر اردو کے مقاصد کو تقویت پہونچائیں۔

رکن سازی کے فارم حاصل کرنے کا پتہ:
انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کنڈلواڑی، تعلقہ بلولی۔
ایم۔ بی۔ کھتری، شعبہ نشر و اشاعت انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر

وحید اختر

تبصرہ

خالی مکان

ہندوستان میں اردو کی جدید شاعری نے جو نئی سمت اختیار کی ہے اس کی نشان دہی جن شاعروں کے کلام سے ہوتی ہے ان میں محمد علوی کو خصوصیت حاصل ہے۔ اس نئے شاعر کا مجموعہ مکتبۂ سوغات بنگلور نے شایع کیا ہے۔ اس مجموعے کو پڑھتے ہوئے کسی گہری فکر اور شدید جذبے کا سراغ ملے یا نہ ملے لیکن ایک خصوصیت محسوس کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا اور وہ خصوصیت ہے ادائیگی کا اچھوتا پن، انداز بیان کی انفرادیت۔ یہ نئی شاعری اپنے اسلوب کے لحاظ سے بھی اور موضوعات کے لحاظ سے بھی اس شاعری کی علامت بھی بنی ہے اور پرانی ہیئتوں (Forms) کو برتنے کا طریقہ بھی نیا ہے۔

اردو کی نئی شاعری نے روایت سے جدید شاعری تک سفر میں کئی منزلیں طے کی ہیں۔ آج کی شاعری کا نمایاں وصف یہی ہے کہ اس میں کوئی گہرائی اور تہ داری ہو یا نہ ہو کسی روایت نہیں ہے۔ اردو کی ترقی پسند شاعری بھی جس کا زور سماجی اور سیاسی مسائل پر رہا ہے اس روایت سے اپنا دامن نہ چھڑا سکی تھی اسی لیے ہمارے یہاں انقلاب اور سماجی تبدیلی کا تصور بھی رومان زدہ ہی رہا۔ آزادی کے بعد شاعری کسی قسم کی روایت کے گھیرے میں گرفتار نہ ہو سکا۔ اس کا سبب نئے شاعروں کے شخصی مزاج کے علاوہ ان سماجی عوامل میں بھی مضمر ہے جن کے تحت آج کی شاعری بھی ہے۔ نئی جدید ذہن اس خلا میں جہاں نہ اقدار کا کوئی مستقل نظام سہارا دینے کیلیے ہے نہ دل و روح کی تسکین کا کوئی سامان جہاں فرد کے ایک سبب کا تسلط ہے وہاں فرد اختیار نہیں کر سکتا۔ یہاں تصورات کی شکست کی دنیا ہے اس شکست نے آغاز فرد کی نفی سے اور علم کی سطح پر بھی طے ہیں اور اجتماعی سماجی نظام کی تنقید میں بھی نہ علوی کی شاعری کا نتیجہ بھی اور ذاتی ہے انھیں اشیا، اشخاص اور مناظر فطرت سب شاعر کی ذات ہی کے مظاہر ہیں اور اسی لیے وہ شاعر کے ساتھ سوچتے، محسوس کرتے اور دکھ میں ڈوب جاتے ہیں۔ "خالی مکان" خود ہی ہیجان اور روح کی علامت ہے جو ہمارے دور کی مشینی زندگی اور مادی توانائی کے خوف نے پیدا کی ہے اور جس کا المیہ تنہائی ہے شدید احساس پہلی نظم ہی کے شعر پر ختم ہو گیا ہے۔ کئی دنوں سے اس گھر میں کوئی نہیں ہے۔ نہیں سے ملنے روز یہاں کوئی آتا ہے۔ لیکن اس ان نظموں میں امید کی کرن سے دو چار ہوتا نظر آتا ہے جن کا موضوع ہے آنے والی نسل اور آنے والا زمانہ (ایک بچہ، میرا گھر، گڑیوں کا بیاہ)۔ ان نظموں کا موڈ علوی کی تمام نظموں کے مختلف غزلوں میں بھی اس سے ملتے جلتے اشعار بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں۔ یہ نظمیں اور یہ اشعار تنہائی میں زندگی بسر کرنے والے انسان کی چھوٹی چھوٹی معصوم خوشیوں اور مستقبل کی سنہری امیدوں کی عکاسی کرتی ہیں مگر ان کا تناسب ان کی شاعری میں اتنا ہی ہے جتنا آج کی زندگی میں مستقبل کی امیدوں کا ناسب۔

محمد علوی کے یہاں اجتماعی مسایل بھی نجی مسایل کا نقاب پہنے نظر آتے ہیں ان کا موضوع فرد اور اس کی تنہائی، اس کی خوشیاں، اس کی الجھنیں، اس کی ذہنی اور داخلی کے انفرادی مسایل سے ہی تشکیل پاتا ہے، اسی لیے ان کے یہاں محدود اپنے کے الفاظ میں وسیع تر معنویت نہیں اس کمی کے باوجود ان کی شاعری میں جو بے ساختگی، دلکشی، تازگی اور حسن ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے ایسے موضوعات کو اپنایا ہے جن کو وہ قریب سے جانتے ہیں جو ان کے لیے آشنا ہیں۔ گھر، پرانے اور ہر وقت کے ساتھی۔

علوی کی نظموں اور غزلوں دونوں کا موڈ، لہجہ اور انداز بیان ایک سا ہے۔ غزل میں وہ اس رنگ کی نمایندگی کرتے ہیں جس کا آغاز ناصر کاظمی سے ہوتا ہے اور بعض جدید تر شاعر برت رہے ہیں۔ علوی کی غزلوں میں تازگی بھی ہے اور انفرادیت کا رنگ بھی۔

علوی کی شاعری کا انداز بہ حیثیت مجموعی آج کی جدید پاکستانی شاعری سے مختلف نہیں۔

اس کا جہاں ایک سبب یہ ہے کہ ساری دنیا میں فرد کے دکھ اور مسایل ایک ہی سے ہیں، وہیں ایک سبب یہ بھی ہے کہ محمد علوی اور ان کے ہم عمر شاعروں کی اٹھان کے زمانے میں ہندوستان میں اردو کے ادبی رسائل معدوم ہو چلے تھے (اور اب بھی ہیں؟)۔ علوی اور ان کے ساتھ کے نئے شاعروں کا جدید شاعری اور اس کے مزاج سے تعارف پاکستانی رسایل و جرائد کے ذریعہ ہی ہوا۔ اس لیے اگر انھوں نے اپنے کو اسی رنگ میں ڈھال لیا تو یہ بھی ان کا [illegible] نہیں، ہمارے ملک میں اردو کی زبوں حالی اور کس مپرسی اس کی ذمہ دار ہے۔

محمد علوی اور ان کے ہم قبیلہ شاعروں کو پڑھنے کے بعد ان کی قدرت اور جدت کا خوشگوار اثر قبول کرنے کے ساتھ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجتماعی مسائل پر سوچنا ہماری شاعری نے کیوں ترک کر دیا ہے۔ یہ سوال اس وقت زیادہ اہم ہو جاتا ہے جب ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ ہماری جدید شاعری کو اب نئی وسعتوں سے آگاہی حاصل کرنا اور شاعری کی موجودہ روایات کی توسیع کرنا بھی ہے۔

"خالی مکان" ایک نئے شاعر کے جرات مندانہ تجربوں کا اچھا خوشگوار نمونہ ہے، جس کے مطالعے سے ہم جدید شاعری کے بعض عناصر سے متعارف ہو سکتے ہیں۔ اس شاعری میں موضوعات کا تنوع بھی نہیں اور تجربات کا تنوع بھی نہیں مگر اس میں متنوع موضوعات و تجربات کو کامیابی سے برتنے کے روشن امکانات ضرور ہیں۔

کتاب مکتبۂ سوغات نے عمدہ کاغذ پر بہت ہی نفاست سے شایع کی ہے جس کی قیمت چار روپے اور ملنے کا پتہ ہے مکتبۂ سوغات۔ ۱۰۹۔ کلاین روڈ، بنگلور ۵۔ یہ مجموعہ اس لیے بھی اردو دوستوں کو خریدنا چاہیے کہ ہمارے نئے لکھنے والوں کو اپنے ملک میں اردو کے مستقبل اور اس کے پڑھنے والوں کی طرف سے بالکل مایوسی نہ ہو۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا۔ پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شایع کیا۔